تحذیر الناس کے رد میں لاجواب علمی دلائل

ختمِ نبوّت

اور

تحذیر النّاس

سید بادشاہ تبسم بخاری

(ایم اے اردو، بی ایڈ)

ادارہ اشاعت العلوم

[illegible] لاہور

تحذیر الناس کے رد میں لاجواب علمی دلائل

ختمِ نبوت

اور

تحذیرُ الناس

سید بادشاہ تبسم بخاری

(ایم اے اردو بی ایڈ)

ادارہ اشاعت العلوم

کرشن پورہ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

نام کتاب	ختم نبوت اور تحذیر الناس
تصنیف	سید بادشاہ تبسم بخاری
اشاعت بار اول	دسمبر 2011ء
کمپوزنگ	ظفر سلطان/محمد عرفان شاہ/غلام یٰسین
صفحات	508
ناشر	ادارہ اشاعت العلوم، وسن پورہ، لاہور
تعداد	1100
قیمت	روپے

ملنے کے پتے

(۱) مسلم کتابوی دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور

(۲) مکتبہ ضیائیہ اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی

(۳) احمد بک کارپوریشن (ٹرسٹ) اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی

(۴) اسلامک بک کارپوریشن (ٹرسٹ) اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی

(۵) مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور

انتساب

اس بلند مرتبہ ہستی کے نام

جس نے تحفظِ ختم نبوت کے لئے مجاہد اول کا کردار ادا کیا

یعنی

خلیفۂ بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کہ آپ ایک مدبر، سیاسی اور مجاہد بھی تھے۔'' (فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون صفحہ۹)

فتنۂ تحذیر الناس:

''تقویۃ الایمان'' اور ''صراط مستقیم'' جنہوں نے تفریق بین المسلمین کا جاندار کردار ادا کیا۔ اور ابھی ان کی شر انگیزی باقی تھی کہ مدرس دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب ''تحذیر الناس'' کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی کے بطن سے قادیانیت نے جنم لیا۔ قادیانی آج بھی تحذیر الناس کو کارآمد ہتھیار سمجھتے ہیں۔ دیوبندی بنیادی طور پر مقلد اور حنفی کہلاتے ہیں۔ لیکن کچھ جزئیات میں یہ فقہ حنفی کے خلاف بھی عمل کرتے ہیں مثلاً مسئلہ تھویب، دعا بعد نماز جنازہ، کتابت کفن اور حیلہ اسقاط وغیرہ۔ بہرحال علمائے دیوبند کا اعتقادی اور فکری جھکاؤ شاہ اسماعیل دہلوی اور کچھ کچھ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف ہوتا چلا گیا۔ اکابر علمائے دیوبند، اہل حدیث حضرات کو بھی کچھ برا خیال نہیں کرتے تھے۔ انکے مقابلے میں بریلی، بدایوں، رام پور اور دیگر علمائے اہل سنت کا ان کے ساتھ کوئی ذہنی میلان یا فکری لگاؤ نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تحذیر الناس شائع ہونے پر نظریاتی تصادم ابھر کر سامنے آ گیا۔ اور اہل سنت کے دو حصے معرض وجود میں آ گئے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ تصادم پھیلتا چلا گیا، اس میں اور شدت آتی گئی اور بات وہیں پہ جا پہنچی کہ جن کا تعلق مولانا فضل حق خیر آبادی کی فکر و اعتقاد سے جڑا ہوا تھا، جو شانِ رسالت کا بھرپور دفاع کرتے رہے بریلوی کہلائے اور جن کے فکری و اعتقادی رابطے شاہ اسماعیل دہلوی سے وابستہ تھے وہ دیوبندی مشہور ہوئے۔ اگرچہ چند ایک علمائے دیوبند کی آوازیں ''تقویۃ الایمان'' کے خلاف اٹھنا چاہتی تھیں مگر اکابر پرستی کے بوجھ تلے دب کر رہ گئیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی چونکہ دار العلوم دیوبند کی بنیاد مضبوط کرنے والوں میں سے تھے اس لیے جب ان کا رسالہ تحذیر الناس سامنے آیا جس میں ختم نبوت زمانی کا انکار پایا جاتا تھا تو پورے ہندوستان کے علماء نے نانوتوی صاحب کی مخالفت کی۔ اس اختلافی سلسلے کی سب سے اہم مضبوط اور پہلی کڑی ''اثر ابن عباس'' کا مسئلہ ہے جس کو نامور دیوبندی محقق پروفیسر محمد ایوب قادری اور

مشہور دیوبندی مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دار العلوم دیوبند نے بالترتیب اپنی کتابوں ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' اور ''حالات مصنفین درس نظامی'' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مولانا محمد حنیف گنگوہی دیوبندی پروفیسر صاحب کی کتاب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد احسن (نانوتوی) نے بریلی کے اکابر و عمائد (یعنی معززین شہر) کے مشورہ اور معاونت سے ایک مدرسہ باسم تاریخی ''مصباح التہذیب'' ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں قائم کیا.... اس مدرسہ کے پہلے مہتمم مرزا غلام قادر بیگ تھے.... جلد ہی بعض مسائل میں اختلاف کی وجہ سے اس مدرسہ کی مخالفت شروع ہو گئی اور مولانا نقی علی خاں (امام احمد رضا بریلوی کے والد محترم) کے گروپ نے اس مدرسہ کے جواب میں ایک دوسری درسگاہ ''مدرسہ اہل سنت'' قائم کیا۔ اور مولانا محمد احسن (نانوتوی) کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا''۔

(حالات مصنفین درس نظامی ص ۲۹۵)

اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے اس کے بالکل متصل ہی مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں:

> ''....آپ کی یہ مذہبی و علمی خدمات بعض مسائل میں اختلاف کی وجہ سے بعض علماء کو ناگوار ہوئیں جن میں مولانا نقی علی خاں بریلوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ صورت یہ ہوئی کہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں شیخوپور ضلع بدایوں میں مسئلہ امکان و امتناع النظیر پر مولانا عبد القادر بدایونی اور امیر احمد سہسوانی کے درمیان ایک مناظرہ منعقد ہوا۔ سہسوانی نے ہر دو فریق کے مفصل حالات و تحریرات پر مشتمل ایک کتاب ''مناظرہ احمدیہ'' کے نام سے طبع کرا دی۔ تحریرات مناظرہ میں اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ سَبْعَ اَرْضِيْنَ فِيْ كُلِّ اَرْضٍ اٰدَمُ

ثّا دمّکّم و نّوّح کنّو خّکّم اھ" بھی زیر بحث آیا۔ سہسوانی نے آخر کتاب میں ایک جملہ یہ بھی لکھ دیا کہ! "مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی بھی اسی (صحت اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ) کے معتقد ہیں۔ اور اسی مضمون (مطالب ومفہوم) پر ان کی مہر ثبت ہے اور اسی کے اور علمائے دین قائل اور معتقد ہیں۔ سہسوانی کے نقل کردہ اقتباس پر مولانا محمد احسن کی تکفیر کی گئی (یعنی کافر قرار دیا گیا) رجب ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں مدرسہ مصباح التہذیب ختم ہو گیا۔ جانبین سے رسالے لکھے گئے، علمائے بریلی اور بدایوں نے مولانا محمد احسن کی بڑی شدومد سے مخالفت کی۔ بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولانا نقی علی خان کر رہے تھے اور بدایوں میں مولانا عبدالقادر بن فضل رسول بدایونی سرخیل جماعت تھے۔ یہی بریلی اور دیوبند کی مخالفت کا نقطۂ آغاز تھا جو بعد کو ایک بڑی وسیع خلیج کی شکل اختیار کر گیا"۔

(حالات مصنفین درس نظامی ص ۲۹۵، ۲۹۶ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی نے مولانا محمد احسن نانوتوی کا شجرہ بھی دیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد احسن اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا۔ مولانا محمد ہاشم جو دور شاہجہانی میں دربار شاہی میں مقرب تھے انکو بھی چند دیہات جاگیر میں ملے تھے۔ نانوتہ میں مولانا محمد ہاشم کی اولاد خوب پھولی پھلی۔ مولانا محمد احسن انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ سال پیدائش تقریباً ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء لکھا ہے۔ دہلی کالج سے عربی کی تکمیل کے بعد ۱۸۴۷ء میں بنارس کالج میں فارسی شعبہ کے مدرس اول مقرر ہوئے۔ مارچ ۱۸۵۱ء میں تبدیل ہو کر بریلی کالج پہنچے اور فارسی کے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں کہ جب برصغیر کے مسلمانوں نے انگریزوں سے جہاد کیا اور آزادی حاصل کرنا چاہی، مولانا محمد احسن نانوتوی انگریزوں کے طرفدار بنے اور تمام مسلمانوں کو اپنا مخالف بنا

لیا۔ مولانا محمد حنیف گنگوہی دیوبندی "قیام بریلی اور انقلاب ۱۸۵۷ء" کا عنوان دے کر لکھتے ہیں:

"بنارس سے بریلی تشریف لانے کے بعد آپ نے مستقل قیام کے لیے بریلی ہی منتخب کر لی اور جب ۱۸۵۷ء کا انقلاب انگیز طوفان آیا تو آپ نے اپنے بھائیوں اور دوسرے بزرگوں اور ساتھیوں کے خلاف اس انقلابی طوفان کے سامنے سینہ تان لیا۔ ابھی یہ سیلاب بریلی میں داخل نہیں ہوا تھا کہ آپ نے وعظ و تقریر کے ذریعہ مسلمانوں کو شرکت سے روکنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۲۲ مئی کو نماز جمعہ کے بعد آپ نے بریلی کی مسجد نو محلہ میں ایک تقریر کی جس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے لیکن زمانہ کی رو کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جانا قطعاً غلط تھا چنانچہ تمام مسلمان آپ کے خلاف ہو گئے اور عوام کی یورش یہاں تک بڑھی کہ اگر کوتوال شہر شیخ بدرالدین کی فہمائش (سمجھانے) پر آپ بریلی نہ چھوڑتے تو ان کی جان کو بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ۲۲ مئی ۱۸۵۷ء کو مولانا نے بریلی چھوڑ دی اور بریلی سے آنولہ آئے اور پھر وہاں سے رامپور (افغانان) ہو کر نانوتہ پہنچے"۔

(حالات مصنفین درس نظامی ص ۲۹۲، ۲۹۳)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا آپ سے اختلاف کسی مذہبی و علمی خدمات پر حسد کے نتیجہ میں نہ تھا بلکہ انگریز کی طرفداری کی بنا پر تھا۔

اسکے بعد لکھا ہے کہ جب انقلاب ذرا کم ہو گیا تو آپ دوبارہ ۱۸۵۸ء میں بریلی واپس آگئے جیسا کہ آپ کی قلمی بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳ جولائی ۱۸۵۸ء بروز سہ شنبہ انہوں نے بریلی میں مکان کرایہ پر لیا اور دوبارہ ملازمت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قارئین پھر یہ بات تازہ کر لیں کہ مسلمانوں کے اندر فتنہ وفساد برپا کرنے والے لوگ کس برادری،

کس طبقہ، کس رُجحان اور کس عقیدے سے تعلق رکھنے والے تھے۔ نیز یہ کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے خیر خواہ بھی تھے۔ مولانا اگر بریلی نہ چھوڑتے تو مسلمان انکو زندہ نہ چھوڑتے، اس معتبر دیوبندی حوالے سے پتہ چلا کہ بریلی کے مسلمان جن کے سربراہ امام احمد رضا بریلوی کے والد محترم مولانا نقی علی خاں تھے، انگریزوں کے کس قدر مخالف تھے اور مذہبی و دینی اعتبار سے کتنے مضبوط عقیدے کے مالک تھے کہ اثر ابن عباس کی وجہ سے مولانا محمد احسن کی بری کھل کر مخالفت کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمنوائی مولانا جو اہل حدیث وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے، امکان نظیر کے مسئلہ پر مولانا عبد القادر بدایونی اہل سنت سے مقابل ہوئے جبکہ ''دیوبندی فکر'' کے حامل مولانا محمد احسن نانوتوی اس مسئلہ میں اُن کے ہمنوا تھے یعنی اثر ابن عباس کی صحت کے دونوں قائل تھے۔

اثر ابن عباس کے متعلق علامہ ابی الحیان اندلسی بحر محیط میں لکھتے ہیں: و عن ابن عباس من روایۃ الواقدی الکذّاب و ھذا حدیث لا شک فی وضعہٖ۔

ترجمہ: ''یہ قول واقدی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور واقدی کذاب ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔'' (بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن، سورۃ الطلاق آیت ۱۲)

مولانا محمد احسن جس جماعت سے وابستہ تھے وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہُم کی جماعت تھی۔ انگریز سرکار کے بارے میں ۱۸۵۷ء میں ان حضرات کا کیا کردار رہا؟ اس کی جانچ پرکھ مولانا رشید احمد گنگوہی کی سوانح عمری ''تذکرۃ الرشید'' سے بخوبی ہو جاتی ہے جس کے مرتب اکابر دیوبند سے مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ہیں۔ انہوں نے ''تذکرۃ الرشید'' جلد اول میں بلا لومۃ لائم، بلا تردد اور بلا اکراہ و اجبار ایک ایک بات کی حقیقت واشگاف الفاظ میں بیان کر دی ہے۔ انھوں نے ص ۷۳ پر عنوان ہی یہ دیا ہے۔ ''الزام بغاوت اور اسکی کیفیت''، اسکے تحت لکھتے ہیں:

''شروع ۱۲۷۶ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام

ربانی قدس سرہٗ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں (مسلمان مجاہدین۔ راقم) میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی''۔ (صفحہ ۷۳)

مسلمانوں پر جب انگریز ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا تھا مجاہدین کے جسموں سے کھالیں کھینچی جا رہی تھیں اور انھیں بے دریغ سولی پر لٹکایا جا رہا تھا، ان اکابرین دیوبند کے متعلق جناب محمد عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

''اتنی بات یقینی ہے کہ اُس گھبراہٹ کے زمانہ میں جبکہ عام لوگ بند کواڑوں، گھر میں بیٹھے ہوئے کانپتے تھے، حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہی) اور نیز دیگر حضرات اپنے کاروبار نہایت ہی اطمینان کیساتھ انجام دیتے اور جس شغل میں اس سے قبل مصروف تھے بدستور اُن کاموں میں مشغول رہتے تھے، کبھی ذرہ بھر اضطراب نہیں پیدا ہوا اور کسی وقت حبّہ (رتی) برابر تشویش لاحق نہیں ہوئی''۔

(تذکرۃ الرشید ج اول ص ۷۴)

آگے لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (قاسم نانوتوی صاحب) اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں (مسلمان مجاہدین) سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی (انگریز) سرکار کے مخالف باغیوں (مسلمان مجاہدین) کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر (صف بنا کر) ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لیے تیار ہو گیا، اللہ رے شجاعت و جوانمردی

کوشش کی گئی۔ حدیث شریف کے مطابق اہل حق کی جماعت نے مذہب کے خلاف اٹھنے والی آوازوں اور دین کے خلاف چلنے والے قلموں کو مروڑ کر رکھ دیا۔ گروہی فتنہ پھیلانے کی کوشش کی گئی مگر اسے کچلنے کے ساز و سامان بھی کیے گئے۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ دیوبند کے ایک معروف عالم دین جناب قاسم نانوتوی نے ''تحذیر الناس من اثر ابن عباس'' کتاب لکھی اس کتاب میں اثر ابن عباس کی اسنادی حیثیت کا اعتبار کر کے عقلی دلائل کی روشنی میں زمین کے دیگر طبقات میں انبیاء کرام کے وجود کو نہ یہ کہ تسلیم کیا گیا بلکہ نبی اکرم ﷺ کے خاتم نبوت ہونے کا انکار بھی اس سے متبادر[1] ہے۔ علمائے کرام کی ایک جماعت نے اسی زمانہ میں کتاب کا وافی و شافی رد بھی کیا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے''۔ (جام نور دہلی جون ۲۰۰۸ء ص ۴۹)

اس کے بعد مولانا منظر الاسلام نے اس پر محققانہ بحث فرمائی ہے۔ آخر میں یہ لکھا:

''الحاصل ''اثر ابن عباس'' سند اور متن دونوں ہی اعتبار سے ضعیف ہے.... حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جناب نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب کا نام ''تحذیر الناس من اثر ابن عباس'' رکھا مگر پوری کتاب میں کہیں بھی حدیث کی سند یا متن پر کوئی واضح بحث نہیں کی''۔

(ایضاً ص ۵۲)

اسی ماہنامہ جام نور کے اگلے ماہ کے شمارہ میں مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری نے اثر ابن عباس پر کچھ مزید وضاحتیں ارشاد فرمائیں، لکھتے ہیں:

''مسئلہ امکان نظیر کے سلسلہ میں سب سے پہلے اثر ابن عباس کو میاں نذیر حسین دہلوی نے ۱۲۸۰ھ/۱۲۸۳ھ کے درمیانی عرصے میں پیش

[1] کسی معنی کی طرف فوراً ذہن کا منتقل ہونا۔

کیا (دیکھئے افادات حمدیہ از حافظ بخاری مولانا سید عبد الصمد سہسوانی ص ۴ مطبع الہی آگرہ ۱۲۸۶ھ) اسکے بعد میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد میاں امیر حسن سہسوانی نے ''افادات ترابیہ'' کے نام سے ۱۶ صفحات کا ایک رسالہ لکھا جو ان کے ایک شاگرد مولانا تراب علی خانپوری کے نام سے ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں میرٹھ سے شائع ہوا۔ اس رسالہ میں میاں امیر حسن سہسوانی نے اثر ابن عباس کو بنیاد بناتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے چھ امثال (ہم شکل و ہم مثل) دیگر طبقات زمین میں بالفعل موجود و متحقق ہونے کا دعویٰ کیا اس کے بعد سے ہی اثر ابن عباس کے تعلق سے نفیاً و اثباتاً، سند و متن، صحت و ضعف اور نقل و عقل کے اعتبار سے بحث و تمحیص کا دروازہ کھلا، درجنوں رسائل تحریر کیے گئے، مناظرے ہوئے، جواب اور جواب الجواب لکھے گئے، اس طرح تقریباً چوتھائی صدی تک یہ اثر اہل علم و تقویٰ کے درمیان موضوع بحث بنا رہا۔ بالآخر یہ سلسلہ تحذیر الناس کی تالیف اور پھر اس کے مصنف کی تکفیر تک دراز ہو کر اپنے منطقی انجام کو پہنچا''۔

(ماہنامہ جام نور دہلی جولائی ۲۰۰۸ء ص ۵۲)

مزید لکھتے ہیں:

''علمائے اہل سنت میں سے صرف حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی کو اس اثر کی صحت پر اصرار تھا ورنہ باقی تمام علمائے اہل سنت اس کو ضعیف، شاذ المتن، اسرائیلی اور باب عقائد میں ناقابل احتجاج ہی قرار دیتے رہے ہیں''۔ (ایضاً ص ۵۲)

پروفیسر محمد ایوب قادری (دیوبندی) اپنی تالیف ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' میں

لکھتے ہیں کہ:

تحذیر الناس کی اشاعت کے بعد اس کے رد میں درجن بھر سے قریب کتب و رسائل سامنے آئے جو نام بنام انھوں نے تحریر کیے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ مولانا محمد شاہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے درمیان تحذیر الناس کی عبارتوں پر مناظرہ بھی ہوا[1]۔ پروفیسر صاحب کی اس کتاب پر مفتی محمد شفیع دیوبندی کراچی کی تصدیق بعنوان ''تعارف'' موجود ہے اور ''پیش لفظ'' مولانا محمد عبدالرشید نعمانی جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا تحریر کردہ ہے۔ اس میں تحذیر الناس سے متعلق یہ بھی لکھا ہے:

''مولانا محمد قاسم نانوتوی کا مشہور رسالہ تحذیر الناس (در صحت اثر ابن عباس) سب سے پہلے مطبع صدیقی بریلی میں طبع ہوا۔ یہ رسالہ ایک استفتاء کا جواب ہے جس میں مستفتی مولانا محمد احسن نانوتوی ہیں.... یہ رسالہ سب سے پہلے ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں طبع ہوا''۔

(مولانا احسن نانوتوی ص ۷۰ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ پیر الہی بخش)

تحذیر الناس میں چونکہ ختم نبوت زمانی کا انکار پایا جاتا ہے اس لیے اس کے شائع ہونے پر پورے ہندوستان کے علماء مخالف ہو گئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رقمطراز ہیں کہ نانوتوی صاحب ایک بزرگ سے ملنے کے لیے ریاست رام پور تشریف لے گئے۔ ساتھ مولانا احمد حسن اور منشی حمید الدین تھے، لکھتے ہیں:

''ریل نہ تھی مراد آباد سے اس طرح چلے کہ خود حضرت پا پیادہ ہو لئے۔ منشی صاحب کی بندوق (خطرے کے پیش نظر) اپنے کندھے پر رکھ لی اور بجبر منشی حمید الدین صاحب کو سواری پر بٹھا دیا۔ جس نے پوچھا کہ کون ہیں، فرما دیتے کہ منشی حمید الدین صاحب رئیس سنبھل

(۱) یہ مناظرہ تحریری طور پر ''غلط ابطال قاسمیہ'' کے نام سے بصورت استفتاء شائع ہوا جس پر مولانا ... کے بھی دستخط ہیں۔ اس کا عکس اور تفصیل آخری حصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہیں۔ گویا اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا اس لیے تاکہ خفیہ پہنچیں۔ جب رامپور پہنچے تو وہاں وارد و صادر کا نام اور پورا پتہ وغیرہ داخلہ شہر کے وقت لکھا جاتا تھا۔ حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اسمیں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا، مولانا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں (یعنی کفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے) حضرت (نانوتوی) کی غرض اس اخفا سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارے میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں''۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۷۹ از مولانا اشرف علی تھانوی)

اس نقل کردہ پیرے کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ نانوتوی صاحب کے ڈر اور خوف کی چیخ چیخ کر گواہی دے رہا ہے۔ کہاں ''تذکرۃ الرشید'' کا وہ بیان کہ جب مولانا نانوتوی، مولانا گنگوہی اور حافظ ضامن صاحب کا مقابلہ اپنی رحمدل گورنمنٹ اور کرم فرما انگریز سرکار کے مخالف باغیوں مسلمان مجاہدین کیساتھ ہوا تو یہ وفاداران سرکار صف بنا کر ایسی پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے اور سرکار پر جاں نثاری کے لیے تیار ہو گئے، آج اپنے قلم اور عقیدے کا وبال سر پر پڑا تو ساری شجاعت اور جوانمردی ہوا ہو گئی۔ آج جھگڑوں اور بحثوں کا ڈر ہوا بن کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ یہ وہی مولانا نانوتوی ہی تو ہیں جن کی ایک حیرت انگیز اور عجیب و غریب کرامت تذکرۃ الرشید میں یوں بیان کی گئی ہے:

''حضرت مولانا قاسم العلوم (مجاہدین کے فائر سے) ایک مرتبہ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ جس نے دیکھا جانا کہ کنپٹی میں گولی لگی اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ اعلیٰ حضرت (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا ''کیا ہوا میاں؟'' عمامہ اتار کر سر کو جو

دیکھا، کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام
کپڑے تر''۔ (تذکرۃ الرشید ج اول ص ۷۵)

یہ رحمل گورنمنٹ (انگریز سرکار) کی کرامت ہی ہو سکتی ہے اگرچہ گولی جنگ آزادی کے کسی مسلمان مجاہد کی تھی۔ بریکٹ میں دی گئی توضیح ہماری ہے اور درست ہے۔

مولانا تھانوی نے جو فرمایا کہ ''یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا'' تو آیئے دیکھتے ہیں کہ تھانوی صاحب کے گمان بے نشان کے مطابق اہل بدعات کون لوگ تھے؟ لیجئے اسکا فیصلہ بھی تھانوی صاحب سے ہی کراتے ہیں۔ ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں:

''جس وقت مولانا (محمد قاسم نانوتوی) نے تحذیر الناس لکھی ہے، کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کیساتھ موافقت نہیں کی، بجز مولانا عبد الحی صاحب کے''۔

(الافاضات الیومیہ ج ۵ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

''من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو'' کے مصداق، مولانا عبدالحی نے موافقت اس لیے کی کہ ''مولانا کو ہمارے بزرگوں سے بے حد عقیدت اور محبت تھی''۔ یہ جملہ بھی مولانا تھانوی ہی کا ہے اور یہ حوالہ اسی جملے پر ختم ہوتا ہے یعنی مولانا عبدالحی صاحب نے جرم نہیں دیکھا، شخصیت دیکھی اور شخصیت سے چونکہ بے حد عقیدت اور محبت تھی اس لیے وقتی طور پر موافقت کرلی:

''(تھانوی صاحب نے) فرمایا۔ مولانا عبدالحی صاحب کو ہمارے بزرگوں سے بہت تعلق تھا.....جب مولانا قاسم صاحب..... نے کتاب تحذیر الناس لکھی تو سب نے مولانا محمد قاسم صاحب کی مخالفت کی مگر مولانا عبدالحی صاحب..... نے موافقت میں رسالہ لکھا۔''

(قصص الاکابر صفحہ ۱۴۲)

(بعد میں مولانا عبدالحی صاحب بھی مخالف ہو گئے تھے، آخری صفحات میں مطبوعہ جس رسالہ ''ابطال اغلاط قاسمیہ'' میں مولانا کے تائیدی دستخط) تھانوی صاحب کے اس کو درست مانا جائے تو پورے ہندوستان کے تمام علمائے اہل سنت کو معاذ اللہ بدعتی قرار ماننا پڑے گا اور کوئی مخبوط الحواس ہی یہ بات مان سکتا ہے، جس کی عقل سلامت اور شعور رکھتا ہے وہ اس بے پر کی اڑائی گئی کو ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا۔ البتہ یہ بات بہرحال مسلّم ہے کہ تھانوی صاحب کے نزدیک ہندوستان بھر کے علمائے حق بدعتی تھے۔ امام احمد رضا بریلوی اس وقت صرف سولہ برس کے تھے۔ تھانوی صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''تحذیر الناس (یعنی مولانا نانوتوی) پر فتوے لگے تو جواب نہیں دیا۔ یہ فرمایا کہ کافر سے مسلمان ہونے کا طریقہ بڑوں سے یہ سنا ہے کہ کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہوجاتا ہے تو میں کلمہ پڑھتا ہوں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ (الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۲۹۵)

اسکا جواب ہم ماہنامہ ''مصلح الدین'' کراچی کے کالم ''آپ کے مسائل اور انکا حل'' کی ایک عبارت سے دیتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

سوال: ایک شخص کے منہ سے کفریہ کلمات نکل گئے اسکے بعد دینی معلومات سے ناواقفی کی بناء پر وہ ان سے توبہ نہ کرسکا اور نمازیں وغیرہ پڑھتا رہا تو کیا اُسکی توبہ قبول ہوگئی اور وہ کفر ختم ہوگیا؟

جواب: کفریہ کلمات سرزد ہونے کے بعد جب تک وہ شخص اپنے کفریہ کلمات وعقائد سے توبہ نہ کرے اُسکے تمام اعمال واذکار اللہ کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں کہ اعمال کے لیے ایمان شرط ہے۔ جب کفریات کے ارتکاب سے ایمان ہی نہ رہا تو اعمال کا کیا فائدہ؟ اعمال کا ثواب مومنین ہی کے لیے ہے۔ کفار مرتد جتنے نیک اعمال کریں ثواب نہیں پائیں گے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر'' میں ہے: